تحقیق کے اصول وآداب قرآن کریم کی روشنی میں، تجزیاتی مطالعہ

Research Methodology in the Light of Holy Quran, An Analytical Studies

ڈاکٹر حافظ محمد اسماعیل عارفی

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اصول الدین، کلیۃ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

ABSTRACT:

Seeking knowledge and quest for the truth are the key characteristics of human nature and are essential to a civilized society.Allah Almighty has, of His entire creatures, put in man the most potential to acquire knowledge and grant them well-defined and permanent means of knowledge.The reason for the human excellence is knowledge and man has been appointed as Allah's own Caliph on the earth on the very basis. Allah the Exalted, too, through Holy Quran informed the man of code of conduct and principle of research.Even though, today a distinct art in the name of "Research Methodology" with extensive terminologies has emerged in the scientific world, yet its basic principles are similar to those the Holy Quran has, in a beautiful manner, made reference to. In this article, we will give a brief analysis of the ten fundamental principles of research in the light of aforesaid indications in reference to Quranic teachings.

Key words: Research Methods, The Holy Quran, Manners of research

تعارف وتمہید

تحقیقِ حق، طلب علم فطرت کا بنیادی خاصہ اور زندگی کی اساسی ضرورت ہے۔احسن الخالقین نے انسان کو اپنی نشانیوں کا "عالمِ اصغر" بنایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّه عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ[1]

"عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف وآگاہ ہونا کافی نہیں"

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا چنانچہ ارشاد ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ [2]

"یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا"

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفاتِ کمال کا عکسِ جمیل انسان میں رکھا[3] علم اللہ کی اور مال معدے کی صفت ہے اگرچہ علم اولاً واصلاً صفتِ خداوندی ہے تاہم جملہ مخلوقات میں سے سب سے زیادہ انسان میں اس کے حصول کی استعداد ودیعت کی گئی ہے [4]۔ انسان سر سے لے کر پیر تک مجسم طالب علم ہے۔ اس کے ہر حصہ میں شعور موجود ہے، پوری جلد وبشرے میں "ادراک" موجود ہے، سردی گرمی وغیرہ کا کتنا جلدی احساس ہو جاتا ہے اگرچہ حضرت انسان کو بہت سے ذرائع علم، حواسِ ظاہرہ و باطنہ بخشے گئے ہیں مگر بنیادی آلاتِ علم بالترتیب تین ہیں سماعت، بصارت، تفکرِ قلب۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاللهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لاَ تَعْلَمُونَ شَيْئاً وَجَعَلَ لَكُمُ الْسَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ[5]

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔ اس نے تمہیں کان دیے، آنکھیں دیں، اور سوچنے والے دل دیے، اس لیے کہ تم شکر گزار بنو۔"

اللہ تعالیٰ نے ان تمام آلاتِ علم (قوت سامعہ، باصرہ، ذائقہ، شامہ وغیرہ) کو چہرے میں جمع فرمایا اور چہرہ بدن کا عضوِ اشرف ہے چہرہ ہی سب سے بلند و بالا چیز ہے گویا اشارہ ہے کہ علمی صلاحیت سب سے افضل چیز ہے (ہاتھ پیر تو محض آلاتِ کسب واعضاءِ عمل ہیں) جس طرح انسان مجسم متعلم ہے اور انسانِ اول (حضرت آدم علیہ السلام) کی ملائکہ پر افضیلت کا سبب بھی "علم الاسماء والمسمیات" ہی ہے [6]۔ تمام انبیا کرام کا بنیادی شرف بھی "علم و حکمت" ہے۔[7] اسی طرح اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ انسان کو آدابِ علم، اصولِ تحقیق سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔ آج کی جدید علمی دنیا میں Research Methodology کے نام سے جو مستقل فن (Art) وجود میں آگیا ہے اور اس میں بھاری بھر کم اصطلاحات کا ذخیرہ جمع کر لیا گیا ہے۔ تاہم اس فن کے بنیادی مفاہیم و مضامین قرآن مجید نے بڑی جامعیت کے ساتھ بہت پہلے، بہت خوب انداز میں بیان فرما دیے ہیں۔ یہاں ہم فنِ تحقیق کے دس بنیادی اصولوں کا قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نہایت مختصر تجزیہ کریں گے۔

تحقیق کیا ہے؟

تحقیق کسی محقق کی وہ علمی کاوش ہے جس میں مدوّنہ نتائج کو ضروری اسناد، دلائل، حوالہ جات کے ساتھ پیش کیا جائے، زیر تحقیق موضوع کے متعلق حتی الوسع جملہ مواد (جمعاً، تلخیصاً، تفصیلاً یا ارجاعاً) پیش کیا جائے یہاں تک کہ موضوع بدیہی الثبوت، قطعی الوجود ہو جائے[8]۔ جس طرح ہر شخص ہر کام کا اہل نہیں ہوتا بلکہ "لکل فن رجال" والا معاملہ ہے۔اسی طرح ہر لکھنے والا محقق نہیں ہوتا اور ہر مصنف مصنف نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے بے مثال ذوقِ مطالعہ، زبردست قوّت تنقید، فطری مزاجِ تفحص، مادیت سے پاک جذبۂ تحصیل، موضوع سے پر خلوص محبت اور کمال واختصاص ضروری ہے۔سچ تو یہ ہے کہ قدرے ''اعتکاف'' (کچھ عرصے کے لیے اپنے مادہ تحقیق پر ہمہ جہت توجہ مرکوز کرنا) بھی اچھی تحقیق کی ضروریات میں سے ہے۔اسی طرح اچھی کتب کا مشورہ سے انتخاب بھی ضروری ہے کیونکہ انسانی دماغ کمپیوٹر تو ہے نہیں کہ تمام معلومات کا احاطہ کلی کر سکے۔اگرچہ اہلِ علم نے تحقیق کی اقسام، مصادر، مناہج، تدوین وغیرہ کے حوالے سے بہت مباحث لکھ دی ہیں مگر حاصل یہی ہے کہ تحقیق وہ علمی روّیہ اور فکری اعتدال ہے جس کے نتیجے میں مفید سچائیوں "ارتفاقاتِ نافعہ" میں اضافہ ہو۔[9]

اصولِ تحقیق

تحقیق دراصل احقاقِ حق یا جمعِ حقائق کا نام ہے اور "حقائق" ان مچھلیوں کی طرح نہیں ہوتے جو مچھلی فروش کی دوکان پر رکھی ہوتی ہیں بلکہ ان کی مثال ایسی مچھلیوں کی سی ہے جو کسی بحرِ بے کنار میں تیر رہی ہوتی ہیں۔کمال تو اس کا ہے جو اپنے آلات (کیل، کانٹے، رسی، جال وغیرہ) کی مدد سے ان کو شکار کرکے، تیار کرکے، آپ کے دستر خوان پر سجا کر آپ سے کھانے کا چٹخارہ لینے کی باادب فرمائش کرتا ہے۔جس طرح شکار کے آلات ہیں اسی طرح تحقیق کے بھی چند لوازمات ہیں مثلاً:

(1) موضوعِ تحقیق

طلبۂ تحقیق کے لئے سب سے بنیادی مسئلہ ''موضوع تحقیق'' کا انتخاب ہے۔اس موضوع کے علمی و عملی فوائد و نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ موضوع زندہ، مفید نوعیت کا ہے؟ موضوع پہلے ہی بہت زیادہ مخدوم تو نہیں؟ ورنہ تو اس پر کام کرنے کی خاص ضرورت نہیں یا وہ موضوع بالکل ہی نیا تو نہیں؟ کہ اس پر کچھ بھی مواد دستیاب نہ ہو اور نوخیز طالبِ علم کے لیے مشکل بن جائے مقالہ نگار کی صلاحیت، صحت و فراغت، وسائل و اسباب اس علمی و تحقیقی کام کیلیے میسر ہیں یا نہیں؟ وغیرہ۔ جب کوئی شخص یہ کہتا ہوا نظر آتا

ہے کہ "مجھے کوئی موضوع نہیں مل رہا جس پر مقالہ لکھوں" تو اس وقت یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ آپ کو کسی علمی موضوع پر ظلم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ؟اور بے اختیار یہ اصولِ قرآنی یاد آجاتا ہے

لا يكلف الله نفسا الا وسعها[10]

یہ شخص خواہ مخواہ تکلیف مالا یطاق میں مبتلا ہو رہا ہے۔اگر کچھ لکھنا ہی ہے تو پہلے خوب پڑھ لے، پھر بیسیوں موضوع مل جائیں گے اور ایک موضوع پر کام کے دوران کئی اور موضوع بلکہ تصانیف (تحقیق کے انڈے، بچے) وجود میں آجائیں گی۔

الغرض انتخابِ موضوع سے قبل کچھ ذاتی استعداد اور ذوق مطالعہ بہت ضروری ہے۔مشہور محاورہ ہے "کہ اگر آپ بولنا چاہتے ہیں تو سنیں اور لکھنا چاہتے ہیں تو پڑھیں "لہذا جو شخص پڑھنے اور سیکھنے کی زحمت نہیں کر سکتا انصاف یہ ہے کہ اسے کسی علمی اور تحقیقی موضوع میں ٹانگ نہیں اڑانی چاہیے۔اللہ تعالی کا کیا خوب ارشاد ہے

وَلاَ تَقْفُ مَا لَيس لكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولئكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً[11]

کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی بازپرس ہونی ہے۔

مولانا عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال، نہ اس کی اندھا دھند پیروی کر۔آدمی کو چاہیے کہ کان، آنکھ اور دل ودماغ سے کام لے کر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے۔سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل پچو سے کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عملدر آمد شروع نہ کرے۔اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا یا بغض وعداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم ورواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، ان دیکھی یا ان سنی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا۔غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ میں جانتا ہوں یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن تمام قویٰ کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا، بے موقع تو خرچ نہیں کیا؟"[12]

(2) مصادرِ تحقیق (مواد کی فراہمی)

کسی محقق کے لیے انتخاب موضوع کے بعد دوسرا مشکل مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ موضوع کے لیے مواد کہاں سے فراہم کرے؟ اس کے لیے توفیر مصادر البحث (Resources of Research) کا مرحلہ نہایت کٹھن ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے اچھی لائبریریوں کی طرف رجوع کیا جائے، اشاعتی اداروں کی فہرستِ کتب ملاحظہ کی جائے کتابوں کے آخر میں "المصادر والمراجع" (Index) کی فہارس دیکھی جائیں، جامعات میں لکھے گئے تحقیقی مقالات کا پتہ لگایا جائے، موسوعات، دوائر المعارف (Encyclopedias) کی طرف رجوع کیا جائے، معیاری رسائل و جرائد کے خصوصی شمارے (Special Editions) دیکھے جائیں وغیرہ۔ حقیت یہ ہے کہ مواد کی فراہمی کا بہترین اور مستند ماخذ کسی ایسی شخصیت، معلم و مشرف (Research adviser) کا نصیب ہو جانا ہے جو آپ کے مضمون کا متخصص (Expert) ہو۔ اگر اس نے بخل سے کام نہ لیا تو بہت مختصر وقت میں آپ کے سامنے اپنے عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ رکھ دے گا اور آپ چند لمحوں میں سالوں کا علم حاصل کر لیں گے۔ یہی قدیم، آزمودہ معتمد اور معیاری ماخذ تحقیق ہے۔ قرآن کریم بھی اسی طریقہ تحقیق کو پسند کرتے ہوئے فرماتا ہے

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون[13]

"اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لو"۔

اس آیت میں یہ اصولی ہدایت دی گئی ہے کہ جو لوگ کسی علم و فن کے ماہر نہ ہوں انہیں چاہیے کہ ماہرین اہل علم سے استفادہ کریں۔ یہ تو طے شدہ قاعدہ ہے کہ "ناواقف کو واقف کی طرف رجوع کرنا چاہیے"۔ اللہ تعالی ایک جگہ اپنی صفات و کمالات کی معرفت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اَلرَّحْمٰنُ فَسْـــَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا[14]

وہ رحمن (بڑی رحمت والا) ہے، سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو!

جس طرح اللہ تعالی کی شانوں اور رحمتوں کو کوئی جاننے والا موحد و مؤمن ہی بتا سکتا ہے اسی سے پوچھنا چاہیے، مشرک کو کیا خبر؟ وہ تو کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح ہر علمی موضوع کو اس کا ماہر، راسخ العلم متخصص ہی کھول سکتا ہے سطحی مطالعہ رکھنے والے کو پوری خبر کیسے ہو سکتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے:

"انما شفاء العی السؤال "[15]

"اور یقینی بات ہے کہ عاجز (ناواقف) کی شفاء تو دریافت کرنے میں ہی ہے"

یہی وجہ ہے کہ آج کی جدید علمی دنیا میں کسی علمی مقالہ کے معیار کا تعین مشرِف (نگران مقالہ) اور ادارہ تحقیق کے ذریعے طے کیا جاتا ہے اور یہی پوچھا جاتا ہے کہ کس کی راہنمائی (Supervision) میں لکھا۔ کسی تحقیقی مقالہ کا جب تحریری یا تقریری امتحان لیا جاتا ہے تو وہ طالبِ علم (Research Scholar) کے ساتھ اس کے استاذ کا بھی ایک امتحان ہی ہوتا ہے۔

(3) تدوینِ تحقیق (تحریر و ترتیب)

تعینِ موضوع کے بعد اور مواد کی فراہمی کے بعد تبییض و تنسیق کا مرحلہ پیش آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لکھنے کے لیے قلم کب، کس وقت اور کس طرح اٹھانا چاہیے؟ اگر ہم یوں کہیں کہ جب تک سارے معلوم و نامعلوم مواد کا حاطہ نہ کر لیا جائے اور سو فیصد مواد فراہم نہ کر لیا جائے اس وقت تک نہ لکھا جائے تو یہ خاصا مشکل ہے۔ تاہم اتنا ضرور ہونا چاہیے کہ محقق کو بقدر استطاعت خوب علم حاصل کرنا چاہیے۔ اگر اسلامی علوم پر لکھنے والے کی عربی مصادر تک براہ راست رسائی نہیں تو اس کی تحقیق میں کیا وزن رہ جائے گا اور اگر عصری موضوعات پر لکھنے والے کو انگریزی وغیرہ سے مناسبت نہیں تو وہ ناقص ہی لکھے گا لہذا اسے محقق سے پہلے متعلم بننا چاہیے اور اضافہ علمی کا متمنی رہنا چاہیے۔ بعد از اطمینان اپنی حاصل معلومات کو خوبصورت پیرایہ بیان میں سپرد قلم کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح و بہتری کا طالب رہنا چاہیے۔ قرآن مجید نبی امی، معلم و ہادی ﷺ کے حوالے سے ایک طرف یہ بتاتا ہے کہ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا [16] اور دوسری طرف آپ کی ذاتِ برکات کو باقاعدہ حکم دے کر کہتا ہے کہ مسلسل یوں دعا مانگا کرو رب زدنی علما[17] اہل معرفت کا نکتہ ہے کہ کسی شے میں زیادتی اچھی نہیں بلکہ اعتدال بہتر ہے مگر علم نافع میں زیادتی و اضافہ بذاتِ خود مقصود و محمود ہے لیکن محققین کو چاہیے کہ وہ اپنے تحقیقی کام (Research project) کو ناممکن حد تک "درجہ کمال" تک پہنچانے کے جنون و خبط میں مبتلا نہ ہوں۔ کئی اہل علم کے علمی کام اسی وجہ سے بالکل ہی ناتمام رہ گئے اور انسانیت ان

سے استفادہ نہ کر سکی۔ دراصل انہوں نے یہ سوچا کہ سارا کام اکیلے خود ہی کریں اور یہ خلافِ فطرت ہے کچھ کام بعد والوں کے لیے بھی چھوڑ دینا چاہیے، بنیاد آپ نے ڈالی ہے تو اعزاز (Credit) بھی آپ کا ہی رہے گا۔ فنونِ حدیث کے مختلف موضوعات پر اسلاف کے علمی کام اس کی روشن مثالیں ہیں کہ ایک نے بنیاد ڈالی، دوسرے نے آگے بڑھایا اور تیسرے نے تکمیل کی۔ بعض اوقات ان کے درمیان طویل زمانوں کا فاصلہ بھی آگیا مگر علم کے قافلے کا کہیں پڑاو نہیں ہے اور مسافرِ تحقیق کی کوئی آخری منزل نہیں ہے بلکہ وفوق كل ذی علم علیم[18] حقیقتِ ثابتہ ہے۔

(4) استدلالِ تحقیق

تحقیق کا اہم ستون، روحِ رواں "دلیل و شہادت" ہے خواہ داخلی شہادت ہو یا خارجی، عقلی و فکری دلیل ہو یا نقلی و تاریخی۔ کیونکہ تحقیق کا ماخذ نقلِ صحیح، عقلِ سلیم ہے اور اس کا مقصد درست نتائج کا حصول ہے لہذا استدلال کا بنیادی اصول یہی ہے کہ کوئی بات بلا دلیل نہیں کرنی چاہیے، کوئی نقلی دلیل بلا حوالہ (Reference) نہیں ہونی چاہیے اور کوئی حوالہ بلا ملاحظہ خود نہیں دینا چاہیے۔ کسی محقق کا اعتماد در اعتماد کر کے ثانوی حوالہ دے دینا اور بچشمِ خود اس حوالہ کو ملاحظہ کر کے شرحِ صدر، اطمینانِ قلب حاصل نہ کرنا بہت بڑی علمی محرومی ہے اسی لیے قرآن کریم منکرین سے بار بار مطالبہ دلیل کرتا ہے۔ پھر اگر دلیل کوئی خبر (نقلی دلیل، دستاویزی شہادت) ہے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ناقل و مخبر کیسا ہے؟ معتبر ہے یا غیر معتبر؟ فاسق ہے یا عادل؟ اگر عادل ہے تو روایت قبول کر لی جائے اور اگر ایسا نہیں تو خوب تفحص و تبین اور تحقیق کر لی جائے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِن جَاء كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ[19]

"مومنو! اگر کوئی بدکردار (غیر معتبر شخص) تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو پھر تم کو اپنے کیئے پر نادم ہونا پڑے"۔

(5) اسلوبِ تحقیق

تحقیق کا کوئی معین اور طے شدہ اسلوب نہیں ہوتا۔ اگرچہ اہلِ علم نے اسلوبِ تحقیق کے عنوان پر مفصل گفتگو کر کے علمی، ادبی، تاریخی سائنسی، مشاہداتی اسالیب وغیرہ گنوائے ہیں تاہم ہر محقق کی صفات، خصوصیات یا کسبی کمالات سے معمور اندازِ تحریر

وبیان سے جو "طرزِ اداء" وجود میں آتا ہے اسے "اسلوبِ تحقیق" کہہ سکتے ہیں، اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کی تحدید ہو سکے تاہم چند باتیں ضروری ہیں۔

اول یہ کہ تحقیق کا انداز تفکر و تدبر، مشاہدہ و ملاحظہ پر مبنی ہونا چاہیے، سنی سنائی باتوں پر اعتماد کی بجائے حقیقتِ حال معلوم کرنے کی، جڑ کی کھوج لگانے کی، پسِ منظر کے ساتھ تہہ منظر میں جھانکنے کی کوشش کی جائے، قرآن کریم جس طرح بار بار تفکر، تدبر، تعقل، تفقہ کی دعوت دیتا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ردِ شرک کے موضوع پر عظیم محقق حضرت ابراہیمؑ نے کس طرح قوتِ مشاہدہ کا استعمال فرمایا قرآن کی زبانی سنیئے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاہِیْمُ لأَبِیْہِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَاماً آلِہَةً إِنِّیْ أَرَاکَ وَقَوْمَکَ فِیْ ضَلاَلٍ مُّبِیْنٍ*وَکَذَلِکَ نُرِیْ إِبْرَاہِیْمَ مَلَکُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَلِیَکُونَ مِنَ الْمُوقِنِیْنَ*فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْہِ اللَّیْلُ رَأَی کَوْکَباً قَالَ ہَذَا رَبِّیْ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لا أُحِبُّ الآفِلِیْنَ*فَلَمَّا رَأَی الْقَمَرَ بَازِغاً قَالَ ہَذَا رَبِّیْ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ یَہْدِنِیْ رَبِّیْ لأَکُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّیْنَ*فَلَمَّا رَأَی الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ ہَذَا رَبِّیْ ہَذَا أَکْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ یَا قَوْمِ إِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِکُونَ* إِنِّیْ وَجَّہْتُ وَجْہِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ حَنِیْفاً وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ[20]

"اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا کہ تم بتوں کو کیا معبود بناتے ہو۔ میں دیکھتا ہو کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو۔ اور ہم اس طرح ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔ (یعنی) جب رات نے ان کو (پردہ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارا نظر پڑا۔ کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانیوالے پسند نہیں۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ نہیں دکھائیگا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے میرا پروردگار یہ ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ لوگو! جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تیئں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

دوم یہ کہ تحقیق کے دوران ""معروضیت"(Objectivity)کاخوب لحاظ رکھنا چاہیے۔لسانی، طبقاتی، قومی، مذہبی ،علاقائی، مسلکی، فکری تعصبات یا جانب داری وغیرہ سے کام لے کر حقیقت سے اغماض نہیں کرنا چاہیے کیونکہ علم و تحقیق، حکمت وصداقت تمام انسانیت کا مشترک اثاثہ ہے۔اسی طرح جذباتِ محض یا قیاس آرائی کا دخل نہ ہونا چاہیے، غرور علم کی بجائے انکسارِ مزاج کے ساتھ حقیقت کا اظہار ہونا چاہیے مخالف نکتہ فکر کے لوگوں کی سخت بات کا جواب کمالِ تحمل سے دینا چاہیے۔قرآن کریم میں مذکور حضرت نوحؑ اور حضرت ہودؑ کے اپنی قوم کے ساتھ دو مکالموں میں اس نکتہ پر خوب روشنی پڑتی ہے۔[21]

سوم یہ کہ اسلوبِ تحقیق کی روح قوت دلیل ہے جب دلائل خود وزنی ہوں تو یہ حسنِ طبعی ہے مزید زیب و زینت یعنی حسنِ تعبیر ہو جائے تو سونے پہ سہاگہ لیکن اگر خود دلائل میں قوت نہ ہو تو مصنوعی حسن یا لفاظی کا کوئی مزہ نہیں۔دلیل ایسی لاجواب ہونی چاہیے کہ مخاطب اگر مخلص ہے تو اس کو مان لے اور اگر معاند ہے تو اس کا منہ بند ہو جائے۔قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرودِ مصر کے سامنے توحید پر ایک دلیلِ قاطع پیش کی کہ ""اللہ تعالی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے"" وہ نالائق اپنی غباوتِ شدیدہ کی وجہ سے نہ سمجھا کہ اللہ تو مردہ جسم میں جان ڈال کر زندہ کر دیتا ہے اور زندہ جسم سے جان نال کر موت دیتا ہے اور کہنے لگا کہ میں زندگی و موت پر قادر ہوں، پھر بزعمِ خود دو غلط نمونے بھی دکھائے۔دو قیدی بلا کر بے قصور کو مار ڈالا، قصوروار کو رہا کر دیا اور کہا دیکھو میں جسے چاہتا ہوں مار دیتا ہوں جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔تب ابراہیمؑ نے ""اسلوب انتقال""کو استعمال کرتے ہوئے دوسری دلیل بیان فرمائی:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْ حَآجَّ إِبْرَاهِيْمَ فِيْ رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ قَالَ أَنَا أُحْيِيْ وَأُمِيْتُ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لاَ يَهْدِيْ الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ[22]

""بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ خدا نے اس کو سلطنت بخشی تھی ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا جب ابراہیم نے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے وہ بولا کہ جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں ابراہیم نے کہا کہ خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اسے مغرب سے نکال دیجئے۔یہ سن کر کافر حیران رہ گیا۔اور خدا بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔"

اس دلیل کی قوت وصلابت قرآن کے بقول ایسی تھی کہ "کافر ہکا بکا رہ گیا"۔ سوائے خاموشی کے اس کے پاس مقابلہ کرنے کو کوئی جواب نہ تھا۔

چہارم یہ کہ مقالہ کسی کتاب یا مضمون کی تلخیص یا محض ترجمہ نہ ہو اگرچہ یہ ایک مفید علمی کام ہے اور ترجمہ نویسی بھی اچھی علمی خدمت ہے تاہم اسے اصطلاحی اعتبار سے ''تحقیق ''نہیں کہا جاتا۔اسی طرح مقالہ محض اقتباسات کا مجموعہ نہیں ہونا چاہیے ،اقتباس تو چند ہی صورتوں میں دیناضروری ہوتا ہے ایک صورت یہ ہے کہ کسی کی بات نقل کر کے اس کی تائید کرنا مقصود ہو،دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی تردید کرنا مقصود ہو اور تیسری صورت یہ ہے کہ کسی نے کوئی بات بہترین پیرایہ بیان میں کہی ہو اور آپ اس سے بہتر کہنے سے خود کو عاجز سمجھتے ہوئے اسی کی بات کو بعینہ نقل کرنا مفید سمجھیں۔

(6) نقدِ تحقیق (تجزیہ و تحلیل)

تحقیق اور تنقید میں تلازم ہے۔نقد کا معنی ہے کھرے کھوٹے کو پرکھنا۔ محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ مفید اور غیر مفید مواد میں فرق کرے،اخذ وانتخاب کی صلاحیت رکھے،اپنی رائے بلا دلیل درج نہ کرے،دوسروں کا نکتہ نظر بلا تنقید یا بلا تائید ذکر نہ کرے ،آراء کا محاکمہ کرے ،دلائل کا نقد وتجزیہ کرے،ان کی صحت وضعف کو جانے۔فنون تنقید خصوصا نقلی دلائل کی تنقید کے لیے علم التاریخ، علم الرجال سے مدد لے اور عقلی دلائل کی تنقید کے لیے علم منطق، علم اصول وغیرہ سے مدد لے۔ الغرض محقق کو کچھ " مجتہد" بھی ہونا چاہیے محض مؤلف ومرتب یا ناقل وجامع نہیں ہونا چاہیے۔ایسی دقتِ نظر ہونی چاہیے کہ بعض امور کو تو اپنی فراست ومہارت سے ابتداءً ہی سمجھ لے۔قرآن مجید واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک ضروری ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے:

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُبِينٌ [23]

"جب تم نے وہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا؟ اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح طوفان ہے؟"

یعنی جب تم نے یہ تہمت کی خبر سنی تھی تو فوراً عقل وفکر سے کام لے کر اس خبر پر نقد کرتے ہوئے "ظنو ا بالمؤمنین خیراً" کے اصول کے مطابق اس کی تردید وتنقید کیوں نہ کی اور اسے صریح بہتان کیوں نہ قرار دیا؟۔ پھر تین آیت آگے چل کر ارشاد ہے:

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ[24]

"اور جب تم نے اسے سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں شایان نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں (پروردگار) تو پاک ہے یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے"۔

اولاً حسنِ ظن کا تقاضا تھا کہ ایسا خیال بھی دل میں نہ لاتے، اور اگر دل میں بے اختیار وسوسہ آ بھی گیا تو ایسی بلا ثبوت بات کو زبان پر نہ لاتے اور اگر ایسی نامعقول بات کسی نااھل کے منہ سے سنی تھی تو فورا تنقید کرتے ہوئے پکار اٹھتے سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔

(7) جامعیتِ تحقیق

تحقیق کے لوازم میں سے ایک امر "محتاط نگاری" ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ محقق کی تحریر و تقریر میں ہر بات مدلل اور محتاط ہونی چاہیے کیونکہ بغیر حوالوں کے وہ تحریر ایک "مضمون" (Essay) تو قرار پا سکتا ہے مگر "تحقیقی مقالہ" نہیں۔ جس چیز کا حوالہ و دلیل ملے اسی کے ذکر پر اکتفاء کرے، خود سے قیاسات کا محل تعمیر نہ کرے، عامۃ الناس کے مزاج کے مطابق اٹکل کے تیر تکے نہ چلائے، احتیاط کے ساتھ اتنی بات کرے جو محقَّق طور پر ثابت ہو اور باقی کا علم اللہ تعالی کے سپرد کردے۔قرآن مجید واقعہ اصحاب کہف کے ذیل میں یہی ہدایت لطیف انداز میں ارشاد فرماتا ہے:

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ[25]

"(بعض لوگ) لوگ بظاہر کچھ کہیں گے کہ وہ تین تھے (اور) چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا (اور بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ میرا پروردگار ہی ان کے شمار سے خوب واقف ہے"۔

تحقیق میں دوسرا اہم عنصر "جامعیت" ہے۔ محقق اس کوشش میں رہے کہ اپنی بات جامع کلمات اور مختصر الفاظ میں سہل انداز میں پیش کرے، غیر ضروری طول بیانی اور تطویل لاطائل سے اجتناب کرے۔ایک بات جو چند الفاظ میں کہی جا سکتی ہے اسے بڑھا کر، ربڑ کی طرح کھینچ کر دور نہ لے جائے۔اگرچہ آج کل زیادہ لکھنے کا ذوق چل نکلا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بسیار نویسی اسی

طرح مضرِ علم ہے جس طرح بسیار خوری مضرِ صحت۔اچھی تحقیق وہی ہے جو تعبیر میں مختصر اور جامع ہو، کوئی لفظ بلاضرورت نہ ہو اور کوئی کلمہ زائد نہ ہو۔قرآن مجید حضرت سلیمانؑ کی ایک ایسی ہی تحریر کا حوالہ دیتا ہے جو انہوں نے ملکہ سبا کے نام لکھی۔

اِنَّه مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّه بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ[26]

"یہ سلیمان کی طرف سے ہے(اور مضمون یہ ہے)شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

(بعد اس کے یہ) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع ومنقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ"۔

دو سطروں میں تمام اہم اور ضروری مضامین جمع کر دیے ہیں، بلاغت کا اعلی معیار بھی قائم ہے، کافر کے مقابلے میں اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے، حق تعالی کی صفاتِ کمال کا بیان بھی ہے، اپنی نبوت اور اسلام کی طرف دعوت بھی ہے اور ترفع وتکبر کی مذمت بھی[27]

(8) ادبِ تحقیق

ادبِ تحقیق سے مراد ہے کہ تحقیقی کام کو اچھے اخلاق وآداب اور اعلی طریقوں کے ساتھ انجام دینا کیونکہ کسی کام کا محض کر ڈالنا کافی نہیں ہوتا بلکہ حتی الوسع بہترین طریقے سے کرنا ضروری ہے۔ارشاد باری تعالی ہے

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ [28]

''اور احسان کرو کیونکہ اللہ تعالی احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''

مفسر بیضاویؒ لکھتے ہیں: أَحْسِنُواْ أَي أعمالكم وأخلاقكم[29] یعنی اپنے کام اچھے طریقے سے کرو اور اخلاق بھی اچھے بناؤ۔احسان کا لفظ صرف اپنے عرفی معنوں میں محدود نہیں ہے بلکہ اس کا اصل معنی ہے ہر چیز کو عمدہ طریقے سے کرنا جیسا کہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

إن الله تبارك وتعالى كتب الإحسان على كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح وليحد أحدكم شفرته وليرح ذبيحته[30]

"اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کو لازم کیا ہے (یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ سزاءً کسی کو قتل کرنے یا جانوروں کو ذبح کرنے میں بھی خوبی کا طریقہ اختیار کرنا لازم ہے) لہٰذا جب تم (کسی شخص کو قصاص یا حد کے طور پر) قتل کرو تو اس کو نرمی وخوبی کے ساتھ کرو (تاکہ اس کو زیادہ ایذاء نہ ہو جیسے تیز تلوار استعمال کرو اور قتل کرنے میں جلدی کرو) اور جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو خوبی ونرمی کے ساتھ ذبح کرو لہٰذا یہ ضروری ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص (جو جانور کو ذبح کرنا چاہتا ہو) اپنی چھری کو (خوب تیز کرلے اور ذبح کئے جانے والے جانور کو آرام دے۔"

جب ذبحِ حیوان کے بظاہر معمولی عمل کو احسن انداز میں کرنے کا حکم دیا جارہا ہے تو علمی امور میں تحقیق کا عمل کس قدر احسن انداز میں انجام دینا چاہیے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ آدابِ تحقیق بہت سے ہو سکتے ہیں مگر تین باتیں اہم ہیں۔

اول یہ کہ شخصیت یا مذہب پر تنقید و تحقیق کے دوران تضحیک و توہین کا رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ جتنا اس اصول سے غفلت کی جا رہی ہے اتنا ہی قرآن مجید اس سے سختی سے منع کرتا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[31]

"اور جن لوگوں کو یہ مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے برا (نہ) کہہ بیٹھیں۔ اس طرح ہم نے ہر ایک فرقے کے اعمال (اُنکی نظروں میں) اچھے کر دکھائے ہیں۔ پھر ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے تب وہ ان کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے"۔

اہلِ علم کا کہنا ہے کسی مذہب کے اصول و فروع کی معقول طریقے سے غلطیاں ظاہر کرنا یا اسکی کمزوری اور رکاکت پر تحقیقی والزامی طریقوں سے متنبہ کرنا جداگانہ چیز ہے لیکن کسی قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بغرض تحقیر و توہین دلخراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی وقت بھی جائز نہیں رکھا۔[32]

دوم یہ کہ دورانِ تحقیق اختلافی نکات سامنے آتے ہیں، محقق کو کسی بات پر کسی بڑے یا معاصر اہلِ علم سے علمی بنیاد پر اختلاف کرنا پڑتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اختلافی نوٹ سے ہی موضوع کے دیگر پہلو بعد از بحث سامنے آتے ہیں۔ قوموں کے علوم و فنون میں کمال کا معیار اندازِ اختلاف اور منہجِ تحقیق سے ہی پتہ چلتا ہے لیکن اختلاف حدود و آداب میں ہو تو محمود اور رحمت ہے ورنہ محض

مخالفت بن کر مذموم اور سخت زحمت ہے۔ایک طرف حضرت ابراہیمؑ کا عقیدہ توحیدِ خالص ہے،ان کے والد کا نکتہ نظر بت پرستی ہے۔ دوسری جانب حضرت ابراہیمؑ پر بیٹا ہونے کی حیثیت سے والد کا احترام واجب ہے مگر ان کی تقریر اعتدالِ مزاج اور رعایتِ اضداد کا بہترین نمونہ ہے۔وہ والدِ گرامی کا ادب ملحوظ رکھ کر فرماتے ہیں:

يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَـيْــــًٔا يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَاۗءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا - يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا-يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا قَالَ اَ رَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِـهَـتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَـنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا[33]

''اے میرے پیارے ابا! آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں؟ابا! مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا تو میرے ساتھ ہو جایئے میں آپ کو سیدھی راہ پر چلادوں گا۔ابا! شیطان کی پرستش نہ کیجیے بیشک شیطان خدا کا نافرمان ہے،ابا! مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو خدا کا عذاب آپکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں اس نے کہا ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے؟ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا(ابراہیم نے) سلام علیک کہا (اور کہا کہ) میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔بیشک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے''۔

حضرت ابرہیمؑ اپنی ہر نصیحت کے شروع میں ان کو ''اے میرے پیارے اباجان'' کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں، کوئی توہین یادل آزاری کا لفظ تک نہیں بولتے کہ انہیں کافر یا گمراہ کہیں بلکہ پیغمبرانہ حکمت کے ساتھ محض براہینِ ساطعہ کہ بناپر بتوں کی بے حسی اور بے بسی ظاہر فرماتے ہیں۔دوسری آیت میں اپنے علومِ نبوت کا اثبات کرکے فرماتے ہیں کہ مجھے اس مسئلہ پر خوب تحقیق ہے لہذا آپ مجھ پر اعتماد فرمایئے، تیسری اور چوتھی آیت میں شرک کے برے انجام سے خبردار کیا ہے۔والد نے جواب میں ان کو یا ابتِ کی جگہ یا بُنَيَّ ''اے میرے پیارے بیٹے'' کہنے کی بجائے محض نام سے پکارا جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نسبی قرابت اور پدری شفقت کو بالکل ہی بھول بیٹھا۔رجم و قتل کی دھمکی اور گھر سے نکل جانے کو کہا،اس سب کے باوجود حضرت ابراہیمؑ آخر کار مجبور ہو کر والد کی بدخُلقی کے علی الرغم ان کے لیے نیک جذبات اور پر خلوص دعاؤں کے ساتھ الوداعی سلام کرتے ہوئے جدا ہوئے۔

سوم یہ کہ انسان نسیان کا پتلا ہے، خطا خاصہءبشریت ہے گر کسی کے یاد دلانے پر یا خود متنبہ ہونے پر رجوع کرنا بھی سنتِ آدمیت ہے۔ اہلِ علم و تحقیق کو اپنی کاوش پر اعجاب رأی میں مبتلا ہونا مناسب نہیں بلکہ ترجیح الراجح اور باب الرجوع کھلا رکھنا چاہیے۔ اب تو ایسی کوئی مثال کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے کہ کسی محقق نے بالخصوص دینیات میں اپنی تحقیق سے رجوع کرکے کسی دوسرے صاحبِ علم کی تحقیق کو قوی دلائل کی بناپر راجح قرار دیا ہواور قاری کو اس کی طرف مراجعت کا مشورہ دیا ہو حالانکہ خطاء ولغزش سے رجوع سنتِ انبیاء ہے اور سیرتِ نوحؑ کا اہم باب اسی نکتہ کی وضاحت کرتا ہے ارشاد ہے:

وَنَادٰي نُوْحٌ رَّبَّه فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ-قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّه لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّه عَمَلٌ غَيْرُصَالِحٍ فَلَا تَسْــــَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِه عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْــــَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِه عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ [34]

"اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے (تو اسکو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور توسب سے بہتر حاکم ہے۔ خدا نے فرمایا کہ نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے۔ وہ تو ناشائستہ افعال ہے۔ تو جس چیز کی تم کو حقیقت معلوم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔ اور میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔ نوح نے کہا پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی مجھے حقیقت معلوم نہیں۔ اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔"

(9) غرضِ تحقیق

کیا تحقیق کی غرض صرف ڈاکٹریٹ وغیرہ کی سند لے کر معاشی و معاشرتی فوائد کا حاصل کرنا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو تحقیق کوئی وقتی عمل یا جزوی مصروفیت نہیں بلکہ ہمیشہ کا ذوق بلکہ روگ ہے، محقق کی تعریف یہ ہے کہ ہر وقت اس کا ذہن کسی نامعلوم کو معلوم کرنے کی کھوج لگا رہا ہو۔ ایسا استفہامی مزاج ہو کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے، پوچھتے پچھاتے منزلِ یقین سے ہم کنار ہو جائے۔ یقین زوالِ شک اور وصولِ حقیقت کا نام ہے اور بنیادی وصفِ قیادت ہے ارشاد باری تعالی ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ [35]

''اور ہم نے ان میں سے پیشوابنائے تھے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے جب انہوں نے صبر کیا تھااور وہ ہماری آیتوں پر یقین بھی رکھتے تھے''

''صبر ''عملی کمالات کا عطر ہے اور ''یقین ''علمی کمالات کا جوہر ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ تحقیق کے نتیجے میں خود کو اور قاری کو عرفان ویقین اور شرحِ صدر کی دولت عطا کرے۔ جو شخص خود کسی خلجان میں مبتلا ہو وہ کسی دوسرے کی راہنمائی نہیں کرسکتا۔ تحقیق کی غرض ادراک ویافت پر اطمینانِ قلب کی تصدیق ومہر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا قصہ سنیئے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ [36]

''اور جب ابراہیم نے (خدا سے) کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا خدا نے فرمایا کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان حاصل کرلے خدا نے کہا کہ چار جانور پکڑواور اپنے پاس منگالو (اور ٹکڑے ٹکڑے کرادو) پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ خدا غالب اور صاحب حکمت ہے''۔

جب انہوں نے بادشاہِ مصر کے سامنے مسئلہ توحید پر ''احیاء واماتت ِ باری ''کے ذریعے استدلال کیا تو اس نے بے جا معارضہ کیا۔ اگرچہ حضرت ابراہیم نے دوسری دلیل سے اپنا موضوع خوب ثابت کیا تاہم ان کا دل چاہا کہ ذرا اللہ تعالی کی اس قدرتِ عظیمہ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلوں تاکہ اطمینانِ قلب نصیب ہوجائے اور تحقیق تام ہوجائے۔ دینی علوم میں تحقیقی شان کو ''اجتہاد'' کہتے ہیں اور دنیوی علوم میں تحقیقی عمل کو ''ایجاد'' کہتے ہیں۔ اجتہاد کوئی ایک راسخ العلم فقیہِ عابد کرتا ہے مگر نفع ساری امت اٹھاتی ہے اسی طرح ایجاد کوئی ایک کرتا ہے مگر پوری انسانیت اس سے مستفید ہوتی ہے۔

(10) مسائلِ تحقیق (سرقہ کا فتنہ)

عصرِ حاضر میں تحقیق کے مسائل میں سے ایک بڑا مسئلہ ''سرقہ'' (Plagianism) ہے۔ سوال یہ ہے کہ تحقیق کرنا کسی عامی یا جاہل شخص کا کام تو ہے نہیں بلکہ نامی گرامی اہل علم ہی یہ ذمہ داری سنبھالتے ہیں پھر ان کے علمی وتحقیقی کاموں میں سرقہ وخیانت کا

وقوع کیوں ہو جاتا ہے؟ دوسروں کی تحقیقات، مقالات کو اپنی طرف کیوں منسوب کرتے ہیں؟ ان کا مقالہ اپنے کسی تجزیہ و تحلیل کے بغیر محض غیروں کی کتابوں کے منتخبات کا مجموعہ ہو کر کیوں رہ جاتا ہے؟ دراصل بات یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں بہت سی تہذیبیں (یونانی، رومی، چینی وغیرہ) گزری ہیں جن کے مذہب، علاقے، قومیں، زبانیں سب چیزیں مختلف تھیں لیکن ایک بات مشترک تھی کہ وہ یہ کہ وہ علم وفن کی قدر کرتے تھے، عالم (خواہ علوم عقلیہ کا ہی کیوں نہ ہو) کو عزت دیتے تھے۔ مگر علم کے ساتھ مادی ومعاشی مفاد وابستہ نہیں کرتے تھے وہ علم مفت عطا کرتے تھے، بلا معاوضہ تقسیم کرتے تھے ۔ ان کے نزدیک علم کے ذریعے مال کمانا معیوب تھا۔ ہمارے زمانے میں مغربی تہذیب کا استیلاء ہو گیا ہے اور عالمِ اسلام نے بھی اس تسلط کو طوعاً یا کرہاً قبول کر لیا ہے۔ مغربی تہذیب خالص سرمایہ دارانہ، مادہ پرستانہ تہذیب ہے۔ یہاں طالبعلم اپنی حیثیت کے مطابق علم خرید کرتا ہے، استاد منہ مانگی قیمت پر فروخت کرتا ہے، تعلیمی ادارے (Universities) علم (Degree) کو بھاری معاوضوں (Fees) کے بدلے میں بیچتے ہیں۔ لوگوں کی معاشی ترقی اس سے مشروط ہو گئی ہے۔ اب آدمی معاشی مسابقت کے لیے، جاہ و مرتبت بڑھانے کے لیے سرقہ نہ کرے تو کیا کرے؟ "علامہ گوگل" نے بہت آسانیاں مرحمت فرمادیں ہیں، گھر بیٹھے آرڈر پر تحقیقی مقالات، کتابیں لکھوا سکتے ہیں، ڈیجیٹل لائبریریوں نے کتب دوستی، کتب شناسی، کتب خوانی کے علم پرور عمل سے مستغنی کر دیا ہے ہر موضوع پر انٹرنیٹ پر غیر مستند معلومات (Information Data) کا اتنا سیلِ رواں ہے کہ جس کو مشین (Computer) کا تھوڑا سا استعمال معلوم ہو وہ چند مضامین وکتب کو باہم رلا ملا کر نئی مخلوق (Thesis) تیار کر لیتا ہے۔ اس صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے کئی طریقے وضع کیے جارہے ہیں اور سرقہ (Plagianism) کو روکنے کے منصوبے تشکیل دیے جارہے ہیں اور نت نئے قوانین بنائے جارہے ہیں مگر دوسری طرف سرقہ کنندگان بھی دورِ جدید کی "روشن خیال قوم" (New Generation) ہے لہذا "مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی" کے مصداق معاملہ پر خطر اور بے قابو ہی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ علم بانٹنا ہی خوبی ہے علم بیچنا کوئی خوبی نہیں اگرچہ فریب کاری (Advertising) کے ذریعے اسے مستحسن بنا دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں ہمیں "جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں" کی اصطلاح نہیں ملتی ۔اسلامی تہذیب بالخصوص اس قرآنی اصول پر قائم ہے:

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ[37]

"اور میں اس کام کا تم سے صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو رب العالمین ہی پر ہے"۔

تعلیم وتعلم کے شعبے کو معیشت وتجارت کا مستقل حصہ بنانا زوالِ علم کی تحریک ہے۔ بہر حال جس طرح چوری برا عمل ہے مگر بدترین چوری نماز کی چوری ہے[38] اسی طرح علمی دنیا میں سرقہ بھی کوئی معمولی نوعیت کا جرم نہیں اور اس کا علاج خوفِ الٰہی، احساسِ آخرت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ یہود کی مذمت میں ارشاد فرماتے ہیں:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ [39]

"جو لوگ اپنے (ناپسند) کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو کرتے نہیں ان کے لیے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ان کی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے بچ نکلیں گے اور انہیں درد دینے والا عذاب ہوگا۔"

آیت میں اگرچہ تذکرہ تو یہود یا منافقین کا ہے، سببِ نزول بھی یہی ہے تاہم "العبرة لعموم الالفاظ لا لخصوص السبب" کے مطابق مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے کہ برا کام کرکے خوش نہ ہوں، اچھا کام کرکے اِترائیں نہیں، فخر و عجب میں مبتلاء نہ ہوں اور جو اچھا کام کیا نہیں اسے اپنی طرف منسوب کرکے اس پر تعریف و تحسین کے امیدوار نہ بنیں، حق تو یہ ہے کہ اگر کوئی اچھا کام کر لیں تو اس کی بھی مدح و توصیف کی ہوس نہ رکھیں۔ اگر کوئی شخص ایسے کام کا دعویٰ کرے جو اس نے کیا نہ ہو تو یہ تو قول و فعل کا وہ تضاد ہے جس کو قرآن کریم بہت ہی ناپسندیدہ قرار دیتا ہے، ارشاد ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ-كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ[40]

"مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے۔ خدا اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں"۔

تلك عشرة كاملة

خلاصہ بحث (نتائج)

الغرض تحقیق و ریسرچ کے جو معیاری اصول دریافت کیے گئے ہیں ان کو قرآنِ حکیم نے صراحۃً یا اشارۃً کسی نہ کسی اسلوب میں ضرور ذکر فرمادیا ہے اور اگر کوئی نئے مفید قوانین و قواعد بتائے جائیں تو کچھ مشکل نہیں کہ ادنیٰ تدبر کے ذریعے حکمتِ قرآنی سے ان کا استخراج کرلیا جائے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے: جميع العلم فى القرآن لكن * تقاصر عنه ا فهام الرجال

حوالہ جات

[1] القرآن سورہ 41، آیت 53

[2] القرآن سورہ 95، آیت 4

[3] مسلم بن الحجاج، النیسابوری، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب النھی عن ضرب الوجہ، رقم الحدیث 2612، دار لمعرفة، بیروت، لبنان

[4] القرآن سورہ 17، آیت 70

[5] القرآن سورہ 16، آیت 78

[6] القرآن سورہ 2، آیت 31

[7] القرآن سورہ 3، آیت 48، سورہ 27، آیت 15، سورہ 28، آیت 14

[8] شاہد، رفاقت علی، مرتب، کتاب تحقیق شناسی، صفحہ ۳۷، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار لاہور ۲۰۱۰ء

[9] عباسی، عبدالحمید خان، اصولِ تحقیق، صفحہ 76، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2012

[10] القرآن سورہ 2، آیت 286

[11] القرآن سورہ 17، آیت 36

[12] عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، سورہ 17، آیت 36، صفحہ 373، مکتبہ سید احمد شہید لاہور

[13] القرآن سورہ 21، آیت 7

[14] القرآن سورہ 25، آیت 59

[15] أبوداود سليمان بن الأشعث السجستاني، السنن، كتاب الطهارة، باب فِي الْمَجْرُوحِ يَتَيَمَّمُ، رقم الحديث: 336، دار الكتاب العربي- بيروت

[16] القرآن سورہ 4، آیت 113

[17] القرآن سورہ 20، آیت 114

[18] القرآن سورہ 12، آیت 76

[19] القرآن سورہ 49، آیت 6

[20] القرآن سورہ 6، آیت 74 تا 79

[21] القرآن سورہ 7، آیت 59 تا 69

[22] القرآن سورہ 2، آیت 258

[23] القرآن سورہ 24، آیت 12

[24] القرآن سورہ 24، آیت 16

[25] القرآن سورہ 18، آیت 22

[26] القرآن سورہ 27، آیت 30، 31

[27] محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، جلد 6، صفحہ 579، ادارۃ المعارف کراچی، 1999ء

[28] القرآن سورہ 2، آیت 195

[29] البیضاوی، ناصر الدین أبوالخیر عبداللہ بن عمر بن محمد، تفسیرِ بیضاوی سورۃ2، آیت195

[30] الخطیب، محمد بن عبداللہ، التبریزي، مشکاۃ المصابیح، کتاب الصید والذبائح-الفصل الاول، رقم الحدیث: 4073، المکتب الاسلامی- بیروت

[31] القرآن سورہ6، آیت108

[32] عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، سورہ6، آیت108

[33] القرآن سورہ19، آیت42تا47

[34] القرآن سورہ11، آیت45تا47

[35] القرآن سورہ32، آیت24

[36] القرآن سورہ2، آیت260

[37] القرآن سورہ26، آیت109

[38] الحاکم، ابوعبداللہ، النیشابوری، المستدرک علی الصحیحین، رقم الحدیث229، جلد1 صفحۃ393، دارالمعرفۃ، بیروت

[39] القرآن سورہ3، آیت188

[40] القرآن سورہ61، آیت2، 3